© rasailojaraid.com

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے انہدام اور نتیجتاً وسط ایشیائی ریاستوں کی آزادی کے بعد سے ان مسلم ریاستوں میں موجود زیرزمین دولت اور قدرتی وسائل کے دیگر وسیع ذخائر امریکہ اور روس سمیت کئی دیگر ممالک کی زبردست توجّہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ سوویت دور کے مرکزیت پسند اقتصادی نظام کے تحت ان ریاستوں کے اقتصادی ڈھانچوں کی تعمیر اس طرزِ پر کی گئی کہ یہاں کے قدرتی وسائل کا بہاؤ روسی علاقوں اور ماسکو کے زیرِ کنٹرول بحیرۂ اسود کی بندرگاہوں اور آبی گزرگاہوں تک محدود رہے۔ چنانچہ آزادی کے بعد قدرتی وسائل سے مالامال ان نوآزاد مسلم وسط ایشیائی ریاستوں کی پہلی ترجیح یہ قرار پائی کہ بیرونی سرمایہ کاری کے ذریعے اپنے لامحدود قدرتی وسائل کو ترقی دی جائے اور پھر آزاد دُنیا تک ان کی ترسیل کے لیے متبادل تجارتی گزرگاہوں اور پائپ لائنوں کی تعمیر کے ذریعے پڑوسی ممالک کے سواحل اور کھلے سمندروں تک رسائی حاصل کی جائے۔

یہ بات محتاج وضاحت نہیں کہ ان ریاستوں کے لامحدود قدرتی وسائل سے وابستہ روسی مفادات سے دستکش ہونا ماسکو کے لیے انتہائی تکلیف دہ عمل ہے۔ دوسری طرف امریکہ ان ریاستوں کی تیل اور گیس کی دولت اپنے زیرِ تسلط لانے کے لیے کھل کر میدان میں آگیا ہے۔ وسطی ایشیا کے ان نوآزاد ممالک کے قدرتی وسائل کے وسیع ذخائر میں اپنا اپنا حصّہ وصول کرنے کے لیے بعض دیگر ممالک بھی سرگرمِ عمل ہیں۔ واشنگٹن کی طرف سے وسطی ایشیا میں جاری اقتصادی مفادات کی اس جنگ میں سی - آئی - اے اور امریکی وزارتِ خارجہ کے بجائے امریکی تیل کمپنیوں کو استعمال کیا جارہا ہے۔ جبکہ ماسکو ان ریاستوں میں قائم سوویت عہد کے اقتصادی ڈھانچوں کی بدولت اقتصادی شعبے میں (کم از کم موجودہ عبوری دور کے لیے) ان کے روس پر مکمل انحصار کو بطور لیوریج استعمال کر رہا ہے۔ دونوں بڑی طاقتیں اپنے اپنے اقتصادی مفادات کے حصول کے لیے خطّے میں اتحادوں کی سیاست کو بھی پروان چڑھانے میں مصروف ہیں۔

بڑی طاقتوں کے اس کھیل میں پاکستان کا نام بھی لیا جارہا ہے۔ اور یہ تاثر عام ہے کہ اسلام آباد وسطی ایشیا میں اپنے مفادات کے حصول کے لیے واشنگٹن کے شریکِ کار کے طور پر کام کر رہا ہے۔ اسلام آباد کی طرف سے افغانستان میں ایک مخصوص گروہ کی تائید وحمایت نے اس تاثر کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قطع نظر اس بات کہ کہ یہ تاثر صحیح ہے یا غلط، اسلام آباد کے ارباب بست و

© rasailojaraid.com